قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشوریٰ

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ
الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ
رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾

(خدا کا دین تو وہی ہے جو اُس نے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے دیا ہے، پھر) کیا اِن لوگوں نے خدا کے کچھ ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنھوں نے اِن کے لیے وہ دین ٹھیرایا ہے جس کا اذن خدا نے نہیں دیا ہے؟ (یہ ایسی جسارت ہے کہ) اگر فیصلے کی بات طے نہ کر دی گئی ہوتی تو اِن کے درمیان اِسی وقت فیصلہ کر دیا جاتا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ جو اِس طرح کے ظالم ہیں، اُن کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ تم اِن ظالموں کو (اُس دن) دیکھو گے کہ اپنی کمائی کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ اُن پر پڑ کے رہے گا۔ اِس کے برخلاف جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

کیے ہوں گے، وہ بہشت کے باغیچوں میں ہوں گے۔[۱۰۱] اُن کے لیے، جو کچھ چاہیں گے، اُن کے پروردگار کے پاس موجود ہو گا۔ بڑا فضل درحقیقت یہی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کی بشارت اللہ اپنے اُن بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے۔ اِن سے کہہ دو، (اے پیغمبر) کہ میں اِس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگ رہا، میں تو بس قرابت کی محبت ہے، جس کا حق ادا کر رہا ہوں۔[۱۰۲] اور کہہ دو کہ جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو ہم اُس نیکی میں اُس کے لیے بھلائی کو بڑھا دیں گے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے، بڑا قدردان ہے۔[۱۰۳] ۲۱-۲۳

۱۰۱۔ اصل الفاظ ہیں: 'فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ'۔ اِس میں 'جَنّٰت' بھی جمع ہے اور 'رَوْضٰت' بھی۔ یعنی اہل جنت کے لیے ایک جنت نہیں، کئی جنتیں اور ایک باغیچہ نہیں، کئی باغیچے ہوں گے۔

۱۰۲۔ اصل میں 'اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اِن میں استثنا ہمارے نزدیک منقطع اور 'قُرْبٰى' مصدر کے مفہوم میں ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''مطلب یہ ہے کہ قریش کے اِن برخود غلط لیڈروں کو آگاہ کر دو کہ تمھاری تمام ناقدریوں، بے زاریوں اور دل آزاریوں کے باوجود میں اِس طرح جو اپنے رات دن تمھارے پیچھے ایک کیے ہوئے ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ اِس میں میری کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہے۔ جس کے لیے خدا کی طرف سے اُس فضل عظیم کی بشارت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا، وہ بھلا تم سے کسی صلہ و معاوضہ کا طالب کیا ہو گا! میری یہ ساری سرگرمیاں اور بے قراریاں اِس وجہ سے ہیں کہ میں اُس حق قرابت سے سبک دوش ہونا چاہتا ہوں جو تمھارے اور میرے مابین ہے۔ تم میرے خاندان اور میری قوم کے لوگ ہو، اِس وجہ سے مجھ پر یہ حق ہے کہ جو ہدایت اور آگاہی خدا کی طرف سے میں لے کر آیا ہوں، اُس سے سب سے پہلے تم کو آگاہ کروں اور جس رحمت کی منادی کر رہا ہوں، اُس میں سب سے پہلے تمھیں شریک کرنے کی کوشش کروں۔'' (تدبر قرآن ۷/ ۱۶۵)

۱۰۳۔ مطلب یہ ہے کہ میں جس نیکی کی دعوت دے رہا ہوں، اُس سے میرا یا خدا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِکَ ؕ
وَیَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَیُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اِس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے؟ (ہرگز نہیں، یہ سراسر ہماری عنایت ہے)۔ سو اگر اللہ چاہے تو تمھارے دل پر مہر لگا دے (اور چاہے تو اپنی یہ عنایت جاری رکھے)،[۱۰۴] جب کہ اللہ تو اپنے اِن کلمات کے ذریعے سے باطل کو مٹا رہا اور حق کو ثابت کر رہا ہے۔[۱۰۵] اِس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ دلوں کے بھید تک جانتا ہے۔ (یہ اُس کی طرف بڑھیں کہ

ہے، بلکہ سراسر تمھارا نفع ہے۔ اِس لیے نیکی اور خیر کی یہ دعوت قبول کرو۔ تمھارا پروردگار اپنے بندوں کی نیکیوں کی بڑی قدر کرنے والا ہے۔

۱۰۴۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیات ۸۶-۸۷ میں اِس طرح بیان ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تمھاری طرف وحی کیا ہے، وہ چھین کر لے جائیں، پھر اِس کے لیے تم ہمارے مقابل میں کوئی مددگار نہ پاؤ۔ مگر یہ صرف تمھارے پروردگار کی رحمت ہے کہ تم اِس سے سرفراز ہوئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا فضل تمھارے اوپر بہت بڑا ہے۔

۱۰۵۔ یہ قرآن کی حقانیت پر استدلال ہے کہ افترا ہمیشہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ احقاق حق اور ابطال باطل کرے۔ اُس کا کام تو اِس کے بالکل برعکس ہونا چاہیے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...ذرا مختلف الفاظ میں یہی بات سیدنا مسیح سے اُن لوگوں کے جواب میں منقول ہوئی ہے جو آپ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپ بدروحوں کو بدروحوں کے سردار بعلزبول کی مدد سے نکالتے ہیں۔ آپ نے اِن معترضین کو یہ جواب دیا کہ اگر میں نے شیطانوں کو شیطان ہی کی مدد سے نکالا تو اِس کے معنی یہ ہوئے کہ شیطان خود ہی اپنا دشمن بن گیا۔ یہی بات یہاں ارشاد ہوئی کہ اگر یہ کلام افترا اور اِس کا پیش کرنے والا مفتری ہے تو اِس کا اثر احقاق حق اور ابطال باطل کی صورت میں نہیں، بلکہ اِس کے بالکل برعکس نکلنا تھا۔ دنیا میں کس مفتری نے اِس طرح کا فیض بخش اور ارواح و قلوب کو منور کرنے والا کلام پیش کیا ہے، جس طرح کا کلام یہ قرآن ہے!"(تدبر قرآن ۷/ ۱۶۸)

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا
تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ
وَالْکٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۲۶﴾

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا
یَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾

وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور اُن کی برائیوں سے درگذر فرماتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔[۱۰۶] ۲۴-۲۵

ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے تو (اُس کی دعوت کو) قبول کرتے ہیں اور (اِس کے صلے میں) وہ اُن پر اپنا مزید فضل فرمائے گا۔ رہے یہ منکرین تو اِن کے لیے سخت عذاب ہے۔ ۲۶

(خدا نے جو کچھ اِنھیں دیا ہے، وہی اِن کے لیے فتنہ بن گیا ہے)۔ اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق کو بالکل ہی کھول دیتا تو وہ زمین میں اودھم مچا دیتے۔ مگر وہ ایک حساب کے ساتھ جو چاہتا ہے، اُن کے لیے اتارتا ہے، اِس لیے کہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے، وہ اُن کا نگران حال ہے۔ بلکہ وہی ہے جو اُن کے مایوس ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت کو (ہر طرف) پھیلا دیتا ہے اور وہی (سب کا) کارساز اور ستودہ صفات ہے۔[۱۰۷] ۲۷-۲۸

۱۰۶۔ یعنی جب جانتا ہے تو اُس سے ڈرو، تم اپنا کوئی جرم اُس سے چھپا نہیں سکو گے۔

۱۰۷۔ لہٰذا نہ کسی کو اپنی دولت و ثروت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھنا چاہیے اور نہ خدا کی عنایتوں کو اپنی قابلیتوں کا حاصل یا اپنے مزعومہ شرکا کی کرشمہ سازی خیال کرنا چاہیے۔ یہ بارش جس پر تمام معیشت کا

وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ ؕ وَھُوَ عَلٰی جَمۡعِہِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾

وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿ؕ۳۰﴾ وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ

(یہ اُس کی وعید کو مذاق نہ سمجھیں)۔ زمین اور آسمانوں کی پیدایش اُسی کی نشانیوں میں سے ہے اور یہ جان دار بھی جو اُس نے اِن دونوں کے اندر[108] پھیلا رکھے ہیں اور وہ اِنھیں اکٹھا کر لینے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے، جب وہ اِنھیں اکٹھا کرنا چاہے گا۔[109] ۲۹

(لوگو، جب خدا سے بغاوت کر دیتے ہو تو دنیا میں بھی) جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے، تمھارے کرتوتوں ہی کی بدولت پہنچتی ہے اور تمھاری بہت سی برائیوں سے وہ درگذر بھی فرماتا ہے۔ (یہ اِس لیے کہ تم اِس سے یاددہانی حاصل کرو)، ورنہ تم روے زمین پر کہیں اُس کے قابو سے باہر نہیں نکل

انحصار ہے، اِس کے لیے آسمان کے بند دریچوں کو وہی کھولتا ہے۔ یہ اُس کے سوا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ چنانچہ کبھی کبھی اُس کو روک کر وہ لوگوں کو اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

۱۰۸۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ جانور زمین میں چلتے اور پرندے فضا میں پرواز کرتے ہیں۔ عربی زبان میں بھی لفظ 'سَمَاء' دوسری بہت سی زبانوں کی طرح اِس معنی کے لیے آتا ہے۔

۱۰۹۔ آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں: 'بَثَّ' اور 'جَمۡع'۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"اِس آیت میں 'بَثَّ' اور 'جَمۡع' کا تقابل بھی نہایت بلیغ اور قیامت کی ایک نہایت دل نشین دلیل ہے۔ 'بَثَّ' کے معنی چھٹنے، بکھیرنے اور پھیلانے کے ہیں اور 'جَمۡع' کے معنی اکٹھا کرنے اور سمیٹنے کے۔ اِس سے یہ اشارہ نکلا کہ جس نے زمین اور فضا میں یہ تمام جان دار پھیلائے ہیں، وہ اِن کو، جب چاہے گا، جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب وہ اِن کو بکھیرنے پر قادر ہوا تو اُن کو سمیٹنے سے کیوں قاصر رہے گا؟ جو کسان اپنے کھیت میں تخم ریزی کرتا ہے، وہ ضائع کرنے کے لیے تخم نہیں بکھیرتا، بلکہ وہ اُس کا حاصل ایک دن جمع بھی کرتا ہے اور اُس میں اُس کو کوئی زحمت نہیں پیش آتی۔" (تدبر قرآن ۷/ ۱۷۱)

مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ﴿۳۱﴾
وَمِنۡ اٰیٰتِہِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ﴿۳۲﴾ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ
فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ﴿۳۳﴾ۙ
اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَیَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ﴿۳۴﴾ۙ وَّیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ

سکتے ہو اور اللہ کے مقابل میں نہ تمھارا کوئی کارساز ہوتا ہے، نہ مددگار۔[110] ۳۰-۳۱

اور سمندر میں چلنے والے پہاڑوں کی طرح (اونچے) جہاز بھی اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں۔[111] اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے، پھر وہ سمندر کی سطح ہی پر ٹھیرے رہ جائیں —— اِس میں، یقیناً ہر اُس شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو صبر کرنے والا، شکر کرنے والا ہو[112] —— یا اُن کے اعمال کی پاداش میں اُن کے جہازوں کو تباہ کر دے اور بہتوں سے درگذر فرمائے۔[113] اِس لیے تباہ کر دے کہ اُن سے

۱۱۰۔ یہ مخاطبین کی زندگی میں خدا کے قانون مجازات کے ظہور سے استدلال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجازات کو سمجھنا چاہو تو اپنی روزمرہ زندگی کے تجربات سے بھی سمجھ سکتے ہو۔ پھر یہ کس طرح خیال کرتے ہو کہ اُس نے کامل جزا و سزا کے لیے کوئی دن مقرر نہیں کیا ہے اور تم کو بنا کر تمھارے خیر و شر سے بے نیاز کہیں اطمینان سے کسی گوشے میں بیٹھ گیا ہے؟

۱۱۱۔ یعنی اِس بات کی نشانیاں کہ زندگی کی کشتی خدا کے حکم ہی سے چلتی اور اُسی کے حکم سے، جہاں وہ چاہتا ہے، ٹھیر جاتی ہے اور بارہا اپنے مسافروں کے کرتوتوں کی وجہ سے ڈوب بھی جاتی ہے۔

۱۱۲۔ یعنی اِس حکمت سے بہرہ مند ہو کہ مصیبتیں آجائیں تو آدمی کو اپنے رب کے بھروسے پر صبر کرنا چاہیے اور نعمتیں ملیں تو اُن پر اترانے کے بجاے اُس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس لیے کہ بندے کو جو کچھ بھی ملتا ہے، خدا ہی کے دیے ملتا ہے اور وہ جس طرح دینے پر قادر ہے، اُسی طرح چھین لینے پر بھی قادر ہے۔ جو لوگ اِس حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں، اُن کو نعمت مغرور اور مصیبت مایوس بناتی ہے۔ وہ کبھی ایمان کی حلاوت سے آشنا نہیں ہوتے۔“ (تدبر قرآن ۷/ ۱۷۳)

۱۱۳۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ دنیا میں ضروری نہیں ہے کہ خدا سے سرکشی اختیار کرنے والوں کی ہر غلطی اور گناہ

فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۵﴾

فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ۚ

وَالَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ۚ

انتقام لے اور اِس لیے کہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کٹ حجتی کر رہے ہیں، وہ جان لیں[۱۱۴] کہ اُن کے لیے کوئی مفر نہیں ہے۔ ۳۲-۳۵

سو جو کچھ تمھیں ملا ہے، (لوگو)، وہ اِس دنیا کی زندگی کی متاع حقیر ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کہیں بہتر اور پایدار ہے، اُن کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔[۱۱۵] ۳۶

اور وہ کہ جو بڑے گناہوں اور کھلی ہوئی بے حیائیوں سے بچتے ہیں[۱۱۶] اور جب کبھی غصہ آجائے

پر اُنھیں لازماً سزا مل جائے۔ یہ دنیا اصلاً جزا و سزا کے لیے نہیں، بلکہ امتحان کے لیے بنائی گئی ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ یہاں بہتوں سے درگذر ہی فرماتے ہیں۔ آیت میں جس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ چشم بصیرت وا ہو تو لوگ مکافات عمل کے نمونے اِس دنیا میں بھی دیکھ سکتے اور اُن سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۱۴۔ اصل میں 'یَعۡلَمَ' ہے اور یہ حالت نصب میں ہے۔ اِس وجہ سے اِس کا معطوف علیہ عربیت کی رو سے محذوف مانا جائے گا۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

۱۱۵۔ یہ الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... یہ اِس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جو لوگ آخرت کی ابدی بادشاہی کے طالب ہوں، اُن کے لیے اِس راہ میں اصلی زاد راہ توکل ہے۔ جب تک کسی کے اندر یہ حوصلہ نہ ہو کہ اِس دنیا کی جو چیزیں خدا کی راہ میں مزاحم ہوں، اُن کو خدا کے بھروسے اور آخرت کے صلے کے اعتماد پر طلاق دے سکے، اُس وقت تک کوئی شخص یہ ابدی بادشاہی حاصل نہیں کر سکتا۔" (تدبر قرآن ۷/ ۱۷۵)

۱۱۶۔ اصل میں 'اِثۡم' اور 'فَوَاحِش' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ 'اِثۡم' سے مراد وہ برائیاں ہیں جو حق تلفی

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا

تو ایسے لوگ ہیں کہ درگذر کر جاتے ہیں۔[117] اور وہ کہ جنھوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہی ہے اور نماز کا اہتمام رکھا ہے[118] اور اُن کا نظام اُن کے باہمی مشورے پر مبنی ہے[119] اور ہم نے جو

اور ناانصافی کی نوعیت کی ہوں اور 'فَوَاحِش' کا لفظ اُن برائیوں کے لیے آتا ہے جو شہوت سے پیدا ہوتی ہیں، یعنی زنا، اغلام اور اِن کے متعلقات۔ یہاں اِن برائیوں کے صرف کبائر سے بچتے رہنے کا ذکر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ انسان کی کم زوری کا لحاظ کر کے اُس نے یہ مطالبہ اُس سے نہیں کیا کہ وہ بالکل معصوم ہو کر زندگی گزارے۔ چنانچہ دوسرے مقامات میں بشارت دی ہے کہ اگر وہ بڑی برائیوں سے بچتا رہے گا تو اُس کی چھوٹی غلطیوں اور کوتاہیوں سے اللہ تعالیٰ درگذر فرمائے گا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کے ایک دوسرے پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "... چھوٹی برائیوں سے بچنے کا بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ آدمی بڑی برائیوں سے اجتناب کرے۔ جو شخص بڑی بڑی امانتیں ادا کرتا ہے، اُس کا ضمیر اِس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ وہ کسی کی چھوٹی سی امانت میں خیانت کر کے خائن کہلانے کا ننگ گوارا کرے۔ اِسی طرح اللہ کا جو بندہ بڑی برائیوں سے اپنے کو بچاتا ہے، وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ چھوٹی چھوٹی برائیوں کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اجر کو برباد کرے۔ جو شخص اشرفیوں کی چوری سے اجتناب کرے گا، وہ دھیلے اور پیسے کی چوری کرنے والا نہیں بنے گا۔ اگر اِس طرح کی کوئی حرکت اُس سے صادر ہو گی بھی تو سہواً ہی ہو گی، عمداً نہیں ہو گی۔ البتہ جو لوگ مچھر کو چھانتے ہیں، اُن کو اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ اونٹ کو نگل جانے والے ہوتے ہیں۔" (تدبر قرآن ۷/ ۱۷۷)

۱۱۷۔ غصہ اپنی ذات میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ انسان کی حمیت، غیرت اور عزت نفس کا ایک فطری تقاضا ہے۔ تاہم اِسے حدود سے متجاوز نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں اِس کے بارے میں جو ہدایت فرمائی ہے، اُس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین اُس زمانے میں جو اشتعال انگیز حرکتیں کر رہے تھے، اُن میں مسلمان کہیں عفو و درگذر کا رویہ نہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ آیت میں 'هُمْ' کی ضمیر کا اظہار بھی اِسی مقصد سے اور یہ زور پیدا کرنے کے لیے ہوا ہے کہ اگرچہ یہ کام نہایت کٹھن ہے، مگر استاذ امام کے الفاظ میں، آفرین کے مستحق ہیں وہ لوگ جو یہ کڑوے گھونٹ حلق سے اتارتے ہیں۔

۱۱۸۔ ایمان کی دعوت قبول کرنے کے بعد یہ اُس کے اولین مظہر کا ذکر ہے جو اگر سامنے نہیں آیا تو گویا

رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۚ﴿۳۸﴾

رزق اُنھیں عطا فرمایا ہے، اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔[۱۲۰] ۳۷-۳۸

ایمان کی دعوت ہی قبول نہیں کی گئی۔ اِس کے اہتمام سے مراد یہ ہے کہ اِسے برقرار رکھا جائے، اِسے پورے آداب کے ساتھ ادا کیا جائے اور اپنے شب و روز میں اِس کی مداومت کی جائے۔ یہی نماز ہے جو ایمان والوں کو منکرات و فواحش سے روکتی اور اجتماعی زندگی میں نظم و اطاعت کے ساتھ رہنے کی تربیت دیتی ہے۔

۱۱۹۔ ہجرت و براءت کے مرحلے میں یہ گویا لطیف اسلوب میں اِس بات کی بشارت ہے کہ مسلمانوں کے لیے اب سیاسی اور اجتماعی ہیئت کی صورت میں منظم ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ ذکر نماز کے بعد کیا گیا ہے اور اِس بات کا اشارہ ہے کہ وہ خدا کے سامنے بھی سرافگندہ رہنے والے ہیں، کبھی سرکشی اختیار نہیں کرتے اور اجتماعی زندگی میں بھی ایک دوسرے پر استبداد کو روا نہیں رکھتے۔ اُن کے ہاں اِس کی کوئی گنجایش نہیں ہے کہ نسب، خاندان، مذہبی حیثیت یا اپنے جتھے کی طاقت کے بل پر کوئی شخص اُن پر مسلط ہونے کی کوشش کرے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا گیا کہ معاملات میں اُن سے مشورہ لیا جاتا ہے، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اُن کا نظام مشورے پر مبنی ہے۔ اِس کے لیے اصل میں لفظ 'اَمْر' استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ کئی معنوں میں آتا ہے۔ یہاں قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ نظم اجتماعی کے مفہوم میں ہے۔ شوریٰ 'فُعْلٰی' کے وزن پر مصدر ہے اور خبر واقع ہوا ہے۔ جملے کی یہ تالیف پیش نظر رہے تو اِس کا لازمی تقاضا ہے کہ نظم اجتماعی کے لیے اگر کسی سربراہ کے تقرر کا وقت آ گیا ہے تو اُس کی امارت مشورے سے منعقد ہو۔ نظام مشورے ہی سے وجود میں آئے۔ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں۔ جو کچھ مشورے سے بنے، وہ مشورے سے توڑا بھی جا سکے۔ جس چیز کو وجود میں لانے کے لیے مشورہ لیا جائے، ہر شخص کی راے بالواسطہ یا بلاواسطہ اُس کے وجود کا جزو بنے۔ اجماع و اتفاق سے فیصلہ نہ ہو سکے تو فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی راے قبول کر لی جائے۔

۱۲۰۔ نماز کے بعد یہ خدا کی بندگی کا دوسرا ستون ہے۔ نماز بندے کا تعلق اُس کے خالق سے جوڑتی ہے اور یہ خلق سے، اور اِنھی دو ستونوں پر دین کی پوری عمارت قائم ہے۔

ایمان والوں کی یہ تمام صفات جس اسلوب میں اور جس موقع پر گنوائی گئی ہیں، اس میں مخالفین پر جو تعریض ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔ اہل ذوق اُسے محسوس کر سکتے ہیں۔

وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡىُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ
فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انۡتَصَرَ
بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ مَا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَظۡلِمُوۡنَ
النَّاسَ وَيَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴۲﴾
وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾

اور وہ کہ جو بدلہ اُس وقت لیتے ہیں،[۱۲۱] جب اُن پر زیادتی کی جائے۔ اِس لیے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔[۱۲۲] پھر جس نے معاف کیا اور معاملے کی اصلاح کر لی تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔[۱۲۳] اور ہاں جن پر ظلم ہوا اور اُس کے بعد اُنھوں نے بدلہ لیا تو یہی ہیں جن پر کوئی الزام نہیں ہے۔ الزام تو اُنھی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں بغیر کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ۳۹-۴۲
البتہ جو صبر کریں اور معاف کر دیں تو بے شک، یہی کام ہیں جن کی تاکید کی گئی ہے۔[۱۲۴] ۴۳

۱۲۱۔ اوپر فرمایا ہے کہ جب غصہ آجائے تو وہ درگذر کر جاتے ہیں۔ یہ اُسی پر استدراک ہے کہ اول تو وہ مخالفین کی تمام تر اشتعال انگیزیوں کے باوجود درگذر کرتے ہیں اور اگر کبھی جواب میں کچھ کہتے یا کرتے بھی ہیں تو اُسی وقت جب اُن پر کوئی صریح زیادتی کی جاتی ہے۔

۱۲۲۔ برائی کے جواب میں جو کچھ کیا جائے، وہ برائی نہیں، بلکہ قصاص ہے، لیکن یہاں اُس کو برائی کے لفظ سے مجانست کے اسلوب پر تعبیر کیا ہے۔ یہ عربی زبان کا معروف اسلوب ہے، جیسے 'دناهم کما دانوا'۔

۱۲۳۔ یعنی کوئی شخص ظلم کرے تو وہ بھی اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اور اُس کے جواب میں اگر ظلم کا جواب اُس سے بڑھ کر ظلم وعدوان سے دیا جائے تو اُس کو بھی اللہ سخت ناپسند کرتا ہے۔

۱۲۴۔ اِس میں، ظاہر ہے کہ انتقام اور بدلے کے حق کو مان کر عفو و درگذر کی ترغیب دی گئی ہے، اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی اولیٰ ہے۔ لیکن اِس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اندر صبر کی خصلت پیدا کرے۔

[باقی]